قسط (۲) آخری

اِکرام اللہ ساجدؔ

چار بیویوں (یا) پانچ باندیوں کا مسئلہ

گزشتہ شمارے میں تعدّد ازدواج کے بارے میں تفصیلاً لکھا گیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ چار بیویوں تک سے نکاح کی اجازت قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔

۲۔ تعدّد ازدواج حکم نہیں اجازت ہے اور وہ بھی شرطِ عدل کی، کڑی شرط کے ساتھ مشروط!

۳۔ تعدّد ازدواج بعض حالات میں جواز سے بڑھ کر ایک اخلاقی اور تمدنی ضرورت بن جاتی ہے،

مثلاً

(ا) جب معاشرہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو (جس کے کئی اسباب ہیں)

(ب) بعد از جنگ وغیرہ کی صورت میں جب بیوگان اور یتامیٰ کی کفالت کا مسئلہ درپیش ہو۔

(ج) بوجوہ ناکام ازدواجی زندگی کی بنا پر، جب دوسری شادی ناگزیر ہو جائے۔ تاکہ طلاق ایسے انتہائی اقدام کے بغیر ہی شادی کی اصل غرض و غایت کا حصول ممکن ہو سکے۔

(د) مرد اور عورت کے فطری تقاضوں کو جائز اور مناسب طریقہ سے پورا کرنے کے لئے، تاکہ مسلم معاشرہ کو صحیح معنوں میں صاف اور ستھرا رکھا جا سکے۔

۴۔ چار بیویوں تک سے نکاح کی اجازت، اجازت ہی نہیں، اس سلسلہ میں ایک حد کی تعیین بھی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بہت سی شادیاں کرکے، مصارف بڑھ جانے پر یتامیٰ اور اپنے ہی اعزہ و اقربا کے حقوق پامال کرنے شروع کر دیتے اور اس طرح صریحاً ناانصافی کے مرتکب ہوتے۔

ان حقائق کے باوجود اگر کوئی شخص اس بات پر مصر ہے کہ قرآنِ مجید کو یہ اجازت نہیں دینی چاہئے

ـــــــ یا دہ اس بنا پر دینِ اسلام کو مطعون کرنے کی کوشش کرتا ہے ــــ یا دہ لوگوں کو اس لئے اسلام سے دور بھاگنے کا مشورہ دیتا ہے کہ اس کے ہاں ایسے ایسے حکیمانہ اصول موجود ہیں کہ جن کے باوصف انسان کبھی بھی مصائب سے دوچار، یا الجھنوں کا شکار نہیں ہو سکتا، تو ایسے شخص کے لئے صرف یہ کہنا کہ وہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے، انصاف نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے انسانیت کا بھی بدترین دشمن قرار دیا جانا چاہیئے ــــ لیکن اب اس کا کیا علاج کہ نیازی صاحب "مدظلہ العالی" "مع عیالہٗ" اس قدر عوام دشمنی کے باوجود اپنے آپ کو ڈھٹائی کی حد تک عوام دوست کہلانے پر مصر ہیں۔

ع ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اصل میں اسلام کے پرحکمت اور جائز احکام کو ہوّا بنا کر عوام کے سامنے پیش کرنے والے یہ وہ لوگ ہیں جن کی اپنی پوری زندگی "ناجائز" سے عبارت ہے ــــ غریب عوام کا درد ان کے پیٹ میں اٹھا ہے جنہوں نے قوم کی ہڈیوں پر اپنے عشرت کدے تعمیر کئے ہیں ــــ شرافت و عصمت کی دھجیاں بکھیرنے والے اور نسائیت کی بدترین تذلیل کرنے والے حقوقِ نسواں کا نعرہ اس لئے لگا رہے ہیں کہ ان کی حمایت حاصل کر کے دوبارہ اپنی بدمعاشیوں کے لئے راہ ہموار کر سکیں ــــ لیکن اب یہ ان شاء اللہ اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے ــــ آخر قوم جنابِ جنرل کے ان الفاظ کو کیونکر فراموش کر سکتی ہے کہ:

"مجھے دور سے جو صاحب انسانیت کا مرقع نظر آتے تھے، وہ حقیقت کی دنیا میں ایک سنگدل قاتل اور ایک بدترین خائن دکھائی دیا . . . سیاسی قتل اور اغوا روزمرہ کا معمول بن گئے تھے . . . جگہ جگہ عیاشیوں کے اڈے قائم کئے گئے ــــ خبر نہیں ان بھیڑیوں نے اپنے ہی وطن کی کتنی عصمتیں لوٹی ہیں ــــ مجھے ان لوگوں سے ذرا ہمدردی نہیں جو قوم کی عزت اور غیرت سے ساڑھے پانچ سال کھیلتے رہے ــــ!"

ــــ اب ہم اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

ملکِ یمین (لونڈی اور غلام):

ملکِ یمین کے بارے میں اکثر غیر مسلموں نے بھی اعتراضات اٹھائے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے یہ سعادت پیپلز پارٹی کے "مولانا" نیازی کو حاصل ہوئی ہے ع

اسے فلک رشک سے نہ جل مرنا

لہٰذا ہم ملکِ یمین کے بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے تاکہ ایک دین فروش کی ہرزہ سرائی

کے علاوہ دشمنانِ دین کے اعتراضات کا ردّ بھی کیا جا سکے۔

دینِ اسلام کو ارشادِ ربانی "لیظہرہٗ علی الدین کلّہٖ" کے تحت تمام دیگر ادیان پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اس دین کے ماننے والوں کو ان کے رب کا حکم یہ ہے کہ:

"وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ"

"دشمنانِ دین سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔"

موجودہ کفر و الحاد کے دور میں مسلمانوں کا یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنا اس فرمانِ الٰہی کی روح کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمان موجود ہوں اور برائی کا وجود بھی دنیا میں باقی رہے، کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اس صورتِ حال کا ذمہ دار اسلام کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا بلکہ اس کا اصل سبب مسلمانوں کی بے عملی یا بدعملی ہے —— اور موجودہ دور کے مسلمان اس بے عملی کو ترک کر کے اگر مذکورہ بالا فرمانِ خداوندی کی تعمیل پر کمربستہ ہو جائیں تو لامحالہ انہیں پھر ایک مرتبہ تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں آنا اور روئے عالم کی تمام شیطانی قوتوں کے سامنے ڈٹ جانا ہو گا —— اور جب صورتِ حال یہ ہو گی تو پھر غلامی کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر سے متعلق مسلمانوں کو یوں معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی جس کا مظاہرہ موجودہ دور کے بعض نام نہاد مفسر کر رہے ہیں اور اسلام کے دفاع میں "فاِمّا منًّا بعدُ واِمّا فداءً" کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ "اسلام ہر حالت میں جنگی قیدیوں (جو ملکِ مبین کی اسلامی معاشرہ میں آمد کا واحد راستہ ہے —— تفصیل آگے آرہی ہے) کو چھوڑ دینے اور صرف چھوڑ دینے کا پابند ہے، لہٰذا کسی کو غلام بنا لینے کی نوبت ہی نہ آئے گی"۔ ہمیں یقین ہے کہ عملی زندگی میں یہ تفسیر یکسر غلط ہو کر رہ جائے گی —— جب میدان کارزار گرم ہو گا تو اس کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے جنگی قیدیوں کا فیصلہ حالات پر منحصر ہو گا۔ حالات اجازت دیں گے تو احسان کر کے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کے بھی کچھ لوگ قید ہو کر فریق مخالف کے قبضہ میں جا چکے ہوں تو حالات کا تقاضا یہ ہو گا کہ ان قیدیوں کا باہم دگر تبادلہ کر لیا جائے —— اور بعض اوقات حالات کی نزاکت یہ بھی ہو گی کہ ان قیدیوں کا سر اڑا دیا جائے تاکہ دوبارہ منظم ہو کر انہیں اسلام کے مقابلے میں آنا نصیب نہ ہو —— جیسا کہ اساریٰ بدر کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں نزولِ فرمانِ الٰہی سے واضح ہوتا ہے —— اور مصلحتِ وقت کے تحت انہیں غلام بنانے کا فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے!

مستشرقین نے اسلام پر جو اعتراض کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ "انسانوں کی خرید و فروخت ایک ظالمانہ فعل ہے اور اسلام چونکہ اس کی اجازت دیتا ہے، لہٰذا اسے دینِ فطرت نہیں قرار دیا جا سکتا" —— اس اعتراض

کا جواب دینے کے لئے حقائق پر ایک گہری نظر ڈال لینا ضروری معلوم ہوتا ہے :

سب سے پہلی بات تو یہ یاد رہے کہ غلامی کا وجود زمانۂ قدیم سے تقریباً تمام ملکوں اور قوموں میں رہا ہے، اسلام نے اسے رواج نہیں دیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ابتدائے اسلام ہی میں لونڈی اور غلاموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اور پہلے سے موجود یہ غلامی اسلام کی اپنی پیدا کردہ نہ تھی۔ لہٰذا اس ضمن میں صرف اسلام پر اعتراض عقل و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے ـــــ اسلام یہ تو نہ کرسکتا تھا کہ ان لوگوں کو دین میں داخل ہونے سے روک دیتا یا معاشرہ ہی سے انہیں نکال باہر کرتا ـــــ یہ مسئلہ کا حل نہ تھا اور اسلام کی روح کے بھی یہ بات منافی تھی ـــــ یہ محض تبدیلیٔ عقیدہ کی بات بھی نہ تھی بلکہ یہ ایک معاشی اور معاشرتی مسئلہ بھی تھا کہ لونڈی اور غلام اس زمانہ میں معاشرہ کا ایک جزو رہتے ہوئے تھے۔ اور اگر اسلام فوری طور پر ان کی آزادی کا حکم دے دیتا تو ان کی بحالی کا ایک لاینحل مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ـــــ ان حالات میں اگر یہ کہا جائے کہ دوسروں کی میراث یہ غلامی اسلام کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی، تو بے جا نہ ہوگا ـــــ اور اسلام نے اس چیلنج کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس احسن طریق سے اس گتھی کو سلجھایا کہ اگر تعصب کی عینک کو اتار پھینکا جائے اور عقلِ سلیم پر پڑے ہوئے بغض و عناد کے دبیز پردوں کو ہٹا دیا جائے تو غلامی کے مسئلہ کو حل کرنے میں اسلام کی یہی حکمتِ عملی، اسلام کی حقانیت اور اس کے دینِ فطرت ہونے کا ایک زبردست اور ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے۔!

ہاں بعد کے مخصوص حالات کی پیداوار غلامی اسلام کے لئے ایک ضرورت تھی۔ جیسا کہ سطور بالا میں ہم نے ذکر کیا ہے ـــــ تاہم اسلام نے ضرورت کی حیثیت سے اسے گوارا کیا ہے، اسے پسندیدہ قرار نہیں دیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اسلام نے اس سلسلہ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے، اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں غلامی کا وجود دائمی ہو کر نہ رہ جائے ـــــ یہ سلسلہ اگرچہ کسی بھی وقت شروع ہو سکتا ہے تاہم غلامی کے سلسلہ میں اسلام کی نافذکردہ اصلاحات بالآخر اس کے خاتمہ پر ہی منتج ہونگی۔

اس سلسلہ میں اسلام کی مساعی حسب ذیل ہیں :

درآمد پر ہر ممکن پابندی:

۱۔ اسلام نے سوائے جنگ میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کے، غلامی کی تمام راہیں مسدود کردیں، مثلاً

(ا) والدین کا اپنی اولاد کو بیچ دینا۔

(ب) اغوا

(ج) کسی قافلے یا قبیلے کو لوٹ کر اس کے افراد کو غلام بنا لینا وغیرہ۔

علاوہ ازیں آزاد مرد و عورت کا خریدنا اور بیچنا جرم قرار دیا۔

۲۔ جنگ میں ہاتھ آئے ہوئے قیدیوں کو بھی صرف اس صورت میں غلام بنایا جاتا تھا جب ان کو واپس لیجانے والا کوئی نہ ہوتا، نہ فدیہ دے کر، نہ قیدیوں کے تبادلہ میں ـــــ گویا ایسے لوگ ایک طرح سے لاوارث ہی ہوتے تھے۔

بہترین حل:

جنگ میں ہاتھ آنے والے قیدی بھی اسلامی معاشرہ پر ایک بار تھے ـــــ یہ وہ زمانہ نہ تھا جبکہ اسلامی حکومت کے پاس باقاعدہ فوج تک نہ تھی۔ اس لئے ان قیدیوں کو الگ جیلوں یا کیمپوں میں رکھ کر ان کے راشن وغیرہ کا بندوبست کرنا دشوار تھا۔ لہٰذا اس کا بہترین حل یہی تھا کہ ان قیدیوں کو فوج کے افراد میں تقسیم کر دیا جاتا ـــــ واضح رہے کہ ان کے بارے میں آخری فیصلے کا حق مسلمان حکومت ہی کو حاصل تھا، کوئی شخص بذاتِ خود ان میں سے کسی کو اپنی ملکیت میں لینے کا مجاز نہ تھا ـــــ!

ـــــ یہ فوجی انہیں اپنے گھر میں خاندان کے ملازم کی حیثیت سے رکھتے، انہیں ان سے خدمت لینے کا حق حاصل تھا مگر ان کی ضروریات اور آرام کا خیال رکھنا بھی ان پر واجب تھا۔

چونکہ یہ قیدی فوجیوں کو ایک طرح سے ان کی خدمت کے معاوضہ کے طور پر ملتے تھے، اس لئے انہیں یہ حق تھا کہ اگر وہ چاہیں تو کچھ رقم اپنے حق الخدمت کے طور پر لے کر انہیں آگے فروخت کر دیں ـــــ یہ بات ملحوظ رہے کہ جنگی قیدیوں کو فاتحین کے سے پورے شہری حقوق و مراعات نہ آج تک دیئے گئے ہیں نہ دیئے جا سکتے ہیں ـــــ آخر یہ لوگ اسلام کے دشمن ہی تو تھے، اگر مفتوح کی بجائے فاتح ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ کون سا برا سلوک روا نہ رکھتے؟ ـــــ تاہم اسلام نے یہاں بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

"فان اتین بفاحشة فعلیھن نصف ما علی المحصنٰت"

کہ "اگر یہ (لونڈیاں) بےحیائی اختیار کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہوگی"

اس ایک مثال سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اگر مملوکوں کو آزاد شہریوں کے سے حقوق نہیں دیئے تو ان پر وہ پابندیاں بھی عائد نہیں کیں جو آزاد شہریوں پر عائد کی گئی ہیں ـــــ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ کسی انسان کی خرید و فروخت ایک ظالمانہ فعل ہے تو اسلام نے اس اعتراض کی گنجائش بھی نہیں چھوڑی ـــــ تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

غلاموں سے حسنِ سلوک:

ارشادِ خداوندی ہے :

"واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمٰی والمساکین والجار ذی القربیٰ والیتمٰی والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم" (النساء)

کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین، قریبیوں، یتیموں، مسکینوں قرابت دار پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، ہم نشینوں اور اپنے ملکِ یمین (لونڈی غلاموں) کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔"

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے ملکِ یمین کا خاص خیال رکھنے کی بار بار تاکید فرمائی اور یہاں تک فرمایا کہ: ان پر ظلم نہ کرو، ان کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ان کی استطاعت سے زیادہ ان سے کام نہ لو، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا ــــ جسے امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے لئے ایک طرح سے آپؐ کی وصیت کا درجہ حاصل ہے، اس میں بھی ان کو فراموش نہیں کیا اور مسلمانوں کو تاکیداً ان سے حسنِ سلوک کا حکم فرمایا ــــ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلوک ان سے بے حد مشفقانہ تھا ــــ اور قرآن مجید نے تو یہ تک کہہ دیا :

"ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک"

کہ "(مسلمان عورتیں) مشرکوں سے نکاح نہ کریں (اس سے بہتر ہے کہ کسی غلام مرد سے نکاح کرلیں کیونکہ) غلام مومن آزاد مشرک سے (بدرجہا) بہتر ہے۔"

کیا ان تمام حقائق کی موجودگی میں اسلام پر دینِ فطرت نہ ہونے کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے ــــ ؟

یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ غلاموں کے ساتھ اس درجہ حسنِ سلوک کا قرآنی حکم تو ان کے مسلمان ہونے کی بنا پر ہے تو سوال کیا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں سے برے سلوک کا الزام آج تک اسلام کو کون دے سکا ہے؟ کیا نبی اکرمؐ یا خلفائے راشدینؓ کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس سلسلہ میں بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے؟ ــــ کیا دنیا کا کوئی بھی مؤرخ محمدؒ بن قاسم کے ہندوؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کی روایات کو جھٹلانے کی جراءت آج تک کرسکا ہے؟ ــــ اگر کسی میں ہمت ہے تو کرکے دیکھ لے، گریبان میں جھانکنے کے بعد یہی کہنے پر مجبور ہوگا کہ ؎

الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا!

آزادی کی راہیں:

مذکورہ بالا اقدامات کے علاوہ اسلام نے ملکِ یمین کی آزادی کی متعدد راہیں کھول دیں۔ مثلاً قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

۱۔ "ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة۔ الآیة"

کہ "اگر کوئی شخص کسی مومن کو خطا سے قتل کر دے تو کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرے۔"

۲۔ "والذین یظاہرون من نساءھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة مؤمنة من قبل ان یتماسا۔ الآیة"

کہ "تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں تو اپنی اس حرکت کے طور پر، دوبارہ ان کے پاس جانے سے قبل ایک غلام آزاد کریں۔"

۳۔ اسی طرح جان بوجھ کر روزہ توڑ دینے کا کفارہ بھی یہی ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے ——— حتیٰ کہ جھوٹی قسم کے کفارہ میں بھی یہ شق شامل کر دی۔

۴۔ آسان شرائط پر غلاموں کو اپنی آزادی خریدنے (مکاتبت) کا حق دیا اور مسلمانوں کو اس سلسلہ میں انکی مالی اعانت کی یوں ترغیب دلائی:

"وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وفی الرقاب۔"

کہ "(نیکی یہ ہے کہ انسان) اپنا مال اللہ کی محبت پر اپنے قریبیوں، یتیموں، مسکینوں اور غلاموں کو آزادی دلانے کی خاطر خرچ کرے۔"

۵۔ علاوہ ازیں مصارفِ زکوٰۃ میں اسے ایک مستقل مد قرار دیا۔

۶۔ بچے کی ماں بن جانے کے بعد لونڈی کو آگے بیچنے سے روک دیا ——— اس سے ہونے والی اولاد کو پورے قانونی حقوق دئیے اور مالک کے مرتے ہی اس (لونڈی) کے از خود آزاد ہو جانے کا فیصلہ صادر فرمایا۔

ملکِ یمین کے سوسائٹی میں آنے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا یعنی اسیرانِ جنگ، اور یہ کوئی درآمد کی مستقل مد نہ تھی۔ اس کے برعکس ان کی آزادی کی متعدد راہیں اسلام نے کھول لی ہیں۔

ان تمام احکام و مسائل سے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ:

(الف) اسلام جنگی قیدیوں کے علاوہ کسی اور طریقے سے ہاتھ آنے والے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت

نہیں دیتا ـــــ بلکہ ان طریقوں ہی کو جرم قرار دیتا ہے۔

(ب) جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینا وقت کی ایک ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت چونکہ کسی بھی دور میں پیش آسکتی ہے لہٰذا اس کی گنجائش موجود ہے تاہم اسلام اسے پسندیدہ قرار نہیں دیتا صرف ضرورت کے تحت گوارا کرتا ہے (ثبوت کے طور پر ہم نے کئی باتیں ذکر کی ہیں)

(ج) اس ضرورت کے تحت جو لوگ لونڈی اور غلام کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ میں موجود ہوں، اسلام ان سے حسن سلوک کی سخت تاکید کرتا ہے۔

(د) اسلام دین فطرت ہے اور کسی انسان کو تاحیات غلام بنائے رکھنا اس کی فطرت کے خلاف ہے لہٰذا ملک یمین کی آزادی کی متعدد راہیں کھولتا ہے جو بالآخر غلامی کے خاتمے پر منتج ہوتی ہیں۔

(ہ) اسلام سے پہلے کسی مذہب نے بھی غلامی کو ختم کرنے بلکہ غلاموں کی حالت سدھارنے پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور ان ہر دو پہلوؤں سے اسلام کو تمام دیگر مذاہب پر یقیناً فوقیت حاصل ہے۔

یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ اگر بعد کے مسلمانوں نے اسلام کے دیگر احکام کی طرح لونڈی اور غلاموں سے متعلق احکام کی روح کو بھی نہ صرف فراموش کر دیا بلکہ ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غلامی کو برقرار رکھنا ضروری خیال کر لیا یا اس کے لئے غلط راہیں کھول لیں تو یہ بات سراسر خلاف منشائے اسلام ہے اور اس کا ذمہ دار اسلام کو ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا ــــ!

اور اب ـــــ پیپلز پارٹی کے "مولانا" نیازی کی خصوصی توجہ کے لئے ۰۰۰۰

پانچ باندیوں کا مسئلہ!

مذکورہ بالا پہلی آیت کو ذہن میں لائیے:

"وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء

مثنٰی وثلاث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ

اوما ملکت ایمانکم- الآیۃ"

یعنی ایک بیوی یا متعدد (صرف چار تک) بیویوں کے ہوتے ہوئے یا اس کے بغیر اگر کوئی کنیز یا کنیزیں باقاعدہ شرعی طریقہ پر تمہیں ملیں تو ان سے شرعی قیود و شرائط کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر سکتے ہو ــــ یہ مفہوم تمام تفسیروں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات اور کتب حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔

یہ قیود و شرائط حسب ذیل ہیں:

۱- آزاد عورتوں کو خرید کر یا اغوا شدہ عورتوں کو اپنی ملکیت میں لے کر ان سے یہ تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔

۲۔ صرف ان قیدی عورتوں کے ساتھ یہ تعلقات جائز ہیں جو جنگ کے بعد اسلامی حکومت کے قبضہ میں آجائیں (یا درہے کہ یہ لونڈی ایک طرح سے لاوارث ہی ہوگی۔ کیونکہ عام حالات میں اس کی قوم یا حکومت کو زرِ فدیہ دے کر یا قیدیوں کے تبادلہ میں اسے آزاد کرا لینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے)۔۔۔۔۔ اور صرف ان کے لئے جائز ہیں، جن سے باقاعدہ طور پر ان لونڈیوں کو حاکم کی طرف سے منسوب کیا گیا ہو۔۔۔۔۔ گویا کسی عورت کا جنگی قیدی ہو کر آنا ہی اس کے سابق نکاح کے خاتمہ کا اعلان ہوگا اور حاکم کی طرف سے باضابطہ اس کا کسی شخص کو دیا جانا نئے نکاح کا قائم مقام سمجھا جائیگا ۔۔۔۔۔ آخر نکاح بھی تو ایک خاص عورت کو ایک خاص مرد کے لئے مخصوص کردینے کا نام ہے۔

۳۔ چنانچہ ان تعلقات کے لئے بعض ایسی شرائط کا پورا کرنا بھی ضروری ہے جو اغراضِ نکاح سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً

(ا) جس طرح نکاح میں گواہوں اور اعلان کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اسی طرح لونڈی کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا اعلان بھی ضروری ہے۔

(ب) استبرارِ رحم کرلینا تاکہ بچے کے نسب میں شبہ نہ رہے۔

(ج) دو سگی بہنوں کو ایک آدمی جنسی تعلقات کے لئے بطور لونڈی نہیں رکھ سکتا۔

(د) باپ کی مدخولہ لونڈی بیٹے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح باپ کی منکوحہ بیوی۔

(ہ) اگر مالک چاہے تو کسی دوسرے آدمی کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کرسکتا ہے۔ اس صورت میں مالک کو حقوقِ خدمت تو حاصل رہیں گے مگر اب جنسی تعلقات حرام ہوجائیں گے۔

(و) اصل مالک کے سوا یا اس کی باضابطہ شرعی اجازت اور اعلان کے بغیر گھر یا باہر کے کسی دوسرے آدمی کے لئے اس کی لونڈی کے ساتھ جنسی تعلقات قطعاً حرام ہیں ۔۔۔۔۔ گویا ہر لونڈی کے ساتھ اس کے مالک کے جنسی تعلقات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر ہوں گے بھی تو بلا شرط و قید محض کھلم کھلا شہوت رانی کے طور پر ہرگز نہ ہوں گے۔

(ز) جس طرح نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح لونڈی کے ساتھ تعلقات کے قیام میں ولی کی ضرورت حاکم یا حاکم کی طرف سے باقاعدہ منسوب ہونے کے بعد اس کا ہونے والا مالک، پوری کرتا ہے ۔۔۔۔۔ البتہ لونڈی کو منکوحہ بیوی کے سے حقوق حاصل نہ ہوں گے!

۴۔ ان تعلقات کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ اس لونڈی سے ہونے والی اولاد کو پورے قانونی حقوق

دیئے جائیں ـــــ وراثت میں اسے حصہ دیا جائے ـــــ!

۵۔ بچے کی ماں ہونے پر، مالک کے مرتے ہی یہ لونڈی (ام ولد) از خود آزاد ہو جائے گی۔

مصالح:

قیود و شرائط کے ساتھ ان تعلقات کی اجازت میں بعض مصلحتیں بھی پوشیدہ ہیں:

۱۔ قیدی عورتوں کو کیمپوں میں رکھ کر بیشمار فوجی افسروں اور سپاہیوں کا نشانہ ہوس بنانے کی نسبت (جیسا کہ آج کل ہوتا ہے) کسی عورت کا ایک آدمی سے وابستہ کر دینا زیادہ باعزت طریقہ ہے ـــــ گویا جس بات کو جس بنیاد پر معیوب خیال کیا جارہا ہے، اسلام میں اسی بنیاد کو زیادہ اور انسب طریقے سے اہمیت دی جارہی ہے۔

۲۔ ان قیدی عورتوں کو اگر باقاعدہ طور پر کسی سے منسوب نہ کیا جائیگا تو یہ اپنے جسمانی تقاضے پورے کرنے کے لئے غلط راہ اختیار کرکے پورے معاشرہ کے بگاڑ کا باعث بنیں گی۔

۳۔ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے یہ عورتیں جسم فروشی پر بھی مجبور ہوسکتی ہیں۔ جبکہ اسلام نے جو راہ ان کے لئے کھولی ہے اس کو بروئے کار لانے سے ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے میں کوئی الجھن باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ مالک کے لئے لونڈی کی ضروریات کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ ـــــ اس طرح جہاں معاش کا مسئلہ از خود حل ہو جاتا ہے وہاں ایک بہت بڑی لعنت کے پنپنے کے امکانات بھی یکسر معدوم ہو جاتے ہیں۔

اب ہم پیپلز پارٹی کے شعبۂ اسلامیات کے سربراہ سے یہ پوچھتے ہیں کہ تعدد ازدواج اور ملکِ یمین کے بارے میں ان احکامِ اسلام کا کیا واقعی انہیں علم نہیں ہے؟ ـــــ تو پھر انہوں نے اپنی ساری عمر کہاں ضائع کر دی؟ ـــــ یا وہ "مولانا" کیوں بنے؟ اور اگر وہ جانتے ہیں تو للہ بتائیں کہ موجودہ پاکستانی معاشرہ چار چار بیویوں کے لئے کس حد تک سازگار ہے؟ ـــــ اور پانچ پانچ باندیاں گھر میں رکھنا تو کجا، کیا ایک ایک باندی رکھنے کی، ایک فیصد نہیں، ایک فی ہزار کی گنجائش بھی اس معاشرہ میں موجود ہے؟ ـــــ حالات پر آپ کی نظر تو کم از کم ضرور ہو گی، آخر آپ اس مملکت کے وزیر باتدبیر رہے ہیں ـــــ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو پھر آپ نے یہ حماقت کیوں کی؟

اور چلتے چلتے ایک آخری بات بھی بتادیں کہ اگر حالات اجازت بھی دیں اور چار بیویوں کو گھر میں بسانے اور پانچ باندیوں کو گھر میں رکھنے سے متعلق اسلام کی عائد کردہ شرائط کو کماحقہٗ پورا بھی کر دیا جائے ـــــ تو اس اجازت سے فائدہ اٹھالینا، کئی کئی داشتائیں رکھ کر حرام کاری کی زندگی بسر کرنے

کی نسبت کیا زیادہ بہتر طریقہ نہیں ہے؟ ــــ آخر یہ حسنہ شیخ کون ہے؟ ــــ جس کے پاس موجود صرف جواہرات کی مالیت ہی ایک کروڑ روپے بنتی ہے ــــ جس کو آپ کے آقائے ولی نعمت، غریبوں کے غریب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ملک سے باہر بھگا دیا ہے ــــ اور . . .

جس کا چرچا ہے زمانے میں! ــــ ع

شرم تم کو مگر نہیں آتی ــــ!

حق مغفرت کرے . . . !

گذشتہ چند ہی دنوں میں پانچ مایہ ناز علمی شخصیتیں ہم سے بچھڑ گئیں ــــ اناللہ وانا الیہ راجعون!

۱ - مولانا محمد داؤد صاحب راغب رحمانی دہلوی۔

۲ - مولانا محمد شریف صاحب اشرف پروفیسر مدینہ یونیورسٹی۔

۳ - مولانا عبدالرشید صاحب قمر امرتسری۔

۴ - مولانا حافظ قاری عبدالغفار صاحب سلفی امام جماعت غرباء اہلحدیث۔

۵ - مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری صدر تحریک ختم نبوت۔

قحط الرجال کے اس دور میں ان گرانقدر شخصیتوں سے ملک وملت کا محروم ہو جانا، ایک عظیم نقصان ہے اور یہ خلا شاید ہی پر ہو سکے ــــ کہ ایسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔

ادارہ کو اس سلسلہ میں کئی تعزیتی قرار دادیں بھی موصول ہوئی ہیں ــــــــــ

ــــ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کو، ان کی بشری کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہوئے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ــــ آمین!

(ادارہ)